مولانا رئیس احمد جعفری

امام مالک اور موطا امام مالک

امام مالک: امیر المومنین فی الحدیث

اس عنوان کے ماتحت ایک محدث کی حیثیت سے امام مالک کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو ہم زیر بحث لائیں گے۔

جداگانہ راستہ

لیکن ہمارا راستہ عام سوانح نویسوں اور تذکرہ نگاروں سے ذرا الگ ہوگا۔ تراجم رجال کے سلسلہ میں عام طور پر دستور یہ ہے کہ معلومات احصائیہ اور معلومات وصفیہ کا ذخیرہ ان تفاصیل سے جمع کریں جو صاحب سوانح نے مواد کی صورت میں چھوڑے ہیں، یا اس کے محفوظ مرویات اور تالیف و تدوین یا اور اسی طرح کی چیزوں کا ایک غیر مرتب مجموعہ سامنے رکھ کر ایک مرتب مجموعہ بنا لیا۔ لیکن ہم ان چیزوں کے علاوہ جس چیز پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ روایت حدیث کے سلسلہ میں امام صاحب کی نشاطِ کار نہیں، اور روایات کی کمیت اور تحریر عددی نہیں بلکہ ہمیں تو راوی کی شخصیت کا کھوج لگانا ہے اور یہ کہ اس کی تکمیل میں کون سے مقومات کار فرما تھے اور کون سے رہ گئے تھے ــــ اگر وہ کچھ ہوں تو!

ہم اپنے قارئین سے یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے یہ امید نہ رکھیں کہ مرویات کے نقد و اختیار اور جمع و تدوین اور زمان و مکان کے سلسلہ میں ہم کچھ زیادہ احصار سے کام لیں گے۔ ہماری کوشش تو یہ ہوگی کہ ناقد کی شخصیت اور اس کی دقتِ نگاہ کو پرکھیں اور نقد و فحص اور اختیار مرجح کے سلسلہ میں اس کے معیار اور اسلوب کو زیر بحث لائیں۔

چنانچہ امام صاحب کی فقہ و حدیث پر موضوعی اعتبار سے ہم زیادہ خوض سے کام نہیں لیں گے یہ کام تو کسی فقیہ اور محدث کے کرنے کا ہے، ہمیں تو جس چیز کی زیادہ کاوش ہے وہ یہ ہے کہ ہم

محدث کی حیثیت سے امام صاحب کی شخصیت اور اس کے مقومات کے ساتھ ساتھ ان کے اصول اور طرز اور روایت و تاریخ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کریں۔

روایت و درایت

سب سے پہلے ہم علم حدیث کی دو اہم قسموں کو لیتے ہیں، جن میں ایک روایت ہے، دوسری درایت۔ ہم بتائیں گے کہ روایت کے سلسلہ میں شیخ (امام مالک) کی شخصیت کیا ہے اور درایت کے سلسلہ میں مقامِ شیخ کیا ہے؟

مالک: الراویہ

امام صاحب نے جس زمانہ میں شعور و بلوغ کی آنکھیں کھولیں وہ سنت نبوی کی ترویج و نشر کا دور تھا۔ سارے عالم اسلام میں سب سے زیادہ جس علم پر توجہ کی جاتی تھی وہ یہی تھا۔ سنت کو بیان قرآن کی حیثیت سے جو اہمیت اور عظمت حاصل تھی وہ اس کے حفظ و بقا اور اس کی طرف التفات خاص اور عنایت خصوصی کی ضامن تھی۔

یہ وہ منہج تھا جس پر شروع ہی سے مسلمان گامزن تھے۔ عہد خلافت راشدہ میں بھی یہی جذبہ موجود رہا۔ عباسیوں نے خاص طور پر اس جانب بہت زیادہ توجہ کی جس کے اسباب عام بھی تھے اور خاص بھی۔ عام اسباب کا تعلق عامہ مسلمین سے تھا اور خاص کا حکام وقت سے، کیونکہ جب حکومت کی تنظیم اور اس کے آئین دستور اور قانون و تشریع کا دارو مدار فکر دینی پر ہو، تو ضروری تھا کہ یہ حکام سنت اور علوم سنت سے واقف ہوں۔ فقہ اور استنباط مسائل کے فن پر نظر رکھتے ہوں۔ چنانچہ اب صرف مدینہ ہی وہ مقام نہیں تھا جسے حقیقی اسلام کا سرچشمہ، سنت نبوی کا وطن، اور تقوی کا مرکز قرار دیا جائے بلکہ اب یہ خصائص وہاں سے منتقل ہو کر شرق و غرب کے دور دراز مقامات میں اپنا نشیمن بنا رہے تھے، اور خلفاء کے زیر سایہ فقہ و حدیث کے مراحل طے پا رہے تھے۔[1]

یہ بات بہت اچھی طرح، واضح ہو چکی ہے کہ امام مالک کے زمانہ میں "علم" سے مراد حدیث لی جاتی تھی۔

---

[1] گولڈزیہر: العقیدۃ والشریعۃ فی الاسلام، عربی ترجمہ، مطبوعہ قاہرہ، ص ۹۴

بحث و بیان سے ماوراء

یہ بات بحث و بیان سے ماوراء ہے کہ امام صاحب کو روایت حدیث اور اس کے تحصیل و تعلیم سے غیر معمولی شغف تھا۔ جمع حدیث کے راستہ میں ہر مشقت اور محنت کے لیے وہ تیار رہتے تھے اور جہاں سے جو حدیث مل جاتی اسے لے لیتے۔ چنانچہ ان کے پاس مرویات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا جسے بعد میں ان کی نگاہِ نقد نے چھانٹ چھانٹ کر بہت کم کر دیا، کیونکہ ان حدیثوں میں اکثر وہ تھیں جو فقہ و افتا کی دنیا میں کوئی عملی منزلت نہ رکھتی تھیں چنانچہ روایت ہے کہ جب مالک رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کی تحریریں جمع کی گئیں۔ ان میں ایک بہت بڑا فائل[1] تھا، جس میں ابن عمرؓ سے بہت سی حدیثیں مروی تھیں۔ لیکن مؤطا میں اس فائل کی صرف دو حدیثیں درج تھیں۔[2]

ایک خاص روایت

ایک اور روایت ہے کہ جب امام صاحب دفن کر دیے گئے تو:

"ہم لوگ ان کے مکان میں داخل ہوئے۔ ہم نے ان کی تحریریں نکالیں اور ان کا جائزہ لینے لگے۔ اس میں سات بڑے بڑے فائل حدیث اہل مدینہ کے موجود تھے۔ حاضرین انھیں پڑھتے جاتے تھے اور رکھتے جاتے تھے۔

"اے ابو عبد اللہ،

مدت دراز تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر باش رہے لیکن آج ان فائلوں میں جو کچھ نظر آ رہا ہے اس کا آپ نے ہم سے بھی ذکر نہیں کیا۔"[3]

---

[1] اصل کتاب میں "قنداق" کا لفظ آیا ہے۔ یہ معرب لفظ ہے، اس کے لفظی معنی صحیفۂ حساب کے ہیں۔ یعنی ایک قسم کا رجسٹر (ملاحظہ ہو شرح القاموس)

میں نے اس لفظ کا ترجمہ "فائل" سے کیا ہے۔ میرے نزدیک عبارت کی معنویت اسی لفظ سے اجاگر ہو سکتی ہے

(رئیس احمد جعفری)

[2] عیاض: (ترتیب المدارک) ورق ۲۲ (قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ)

[3] ایضاً

امام مالک کا بیان

خود امام مالک سے نقل ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا :

"میں نے ابن شہاب سے بہت سی حدیثوں کی سماعت کی، لیکن میں نے نہ کبھی ان کی روایت کی نہ تحدیث :

پوچھا گیا،

"ایسا کیوں کیا آپ نے ؟

جواب دیا،

"اس لیے کہ ان حدیثوں کو میں نے معمول بہ نہیں پایا" ۔[1]

سماعت سے تحدیث لازم نہیں آتی

اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ حدیث جس کی امام صاحب سماعت کر لیتے تھے ضروری نہیں تھا کہ لوگوں کے سامنے اسے حدیث صحیح کی صورت میں پیش کریں۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے :

"ہر وہ حدیث جس کی میں سماعت کرتا ہوں اگر اسے بیان کرنے لگوں اور اس کی روایت شروع کر دوں تو مجھ سے بڑھ کر احمق کون ہوگا ؟" [2]

گمراہی کا سبب

ایک اور روایت میں ہے کہ امام صاحب نے فرمایا :

"وہ تمام حدیثیں جو میں لوگوں سے سنتا ہوں اگر انھیں بیان کرتا یا ان کی روایت کرنا شروع کر دوں تو گویا میں عوام کو گمراہ کرنے لگوں ۔"

جو حدیثیں چھوڑ دیں

ایک اور موقعہ پر اسی سلسلۂ بحث میں امام صاحب نے ارشاد فرمایا :

"اگرچہ میں کوڑوں کی مار سے بہت گھبراتا ہوں، لیکن جن حدیثوں کو میں نے چھوڑ دیا ہے، ان میں کی ہر حدیث پر ایک کوڑا خوشی سے کھا لوں گا مگر اس کی روایت نہیں کروں گا ۔" [3]

---

[1] عیاض : (ترتیب المدارک) ورق ۲۳ (قلمی نسخہ)

[2] المصدر السابق

[3] عیاض : (ترتیب المدارک) ورق ۲۳ (قلمی نسخہ)

روایت حدیث میں احتیاط

امام صاحب کے اس اصول پر تفصیل سے ہم اس وقت گفتگو کریں گے جب "درایت" پر گفتگو کریں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ روایات بالا سے جو چیز غیر مشکوک طور پر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ روایت حدیث کے سلسلہ میں امام صاحب کی احتیاط اور سرگرمی کا کیا عالم تھا؟ اور یہ کہ زیادہ سے زیادہ حدیثیں حاصل کرنے کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ لیکن حصول کے بعد تفحص و تحقیق اور احتیاط و اختیار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ شروع شروع میں امام صاحب نے مؤطا میں چار ہزار سے بھی زیادہ حدیثیں رکھی تھیں لیکن انتقال کے وقت اس مجموعہ میں ایک ہزار سے کچھ زیادہ باقی رہ گئیں۔ ہر سال وہ ان کی کانٹ چھانٹ کرتے رہتے تھے اور کم کرنا چاہتے تھے۔ آخر میں صرف وہی حدیثیں باقی رہ گئیں جو دین مسلمین کے لیے اصلح اور امثل تھیں[۱]

مؤطا کی تحلیل و تجزی

مؤطا کی اگر تحلیل و تجزی کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں:

- ـــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے جو آثار مذکور و منقول ہیں ان کی تعداد ۱۷۲۰ ہے۔
- ـــــ مسند حدیثوں کی تعداد ۶۰۰ ہے۔
- ـــــ مرسل حدیثیں ۲۲۲ ہیں۔
- ـــــ موقوف احادیث ۶۱۳ ہیں۔
- ـــــ اقوال تابعین کی تعداد ۲۸۵ ہے۔[۲]

ابن حزم کا احصار

ابن حزم کے احصار کے مطابق مؤطا کے بیان انواع میں اختلاف ہے۔ چنانچہ:

- ـــــ مسند احادیث : ۵۰۰ سے کچھ زیادہ

---

[۱] عیاض: ترتیب المدارک، ورق ۲۳ (قلمی نسخہ)

[۲] ملاحظہ ہو سیوطی کی کتاب "مقدمۃ تنویر الحوالک"، ص ۹

• ــــ مرسل حدیثیں ۳۰۹ سے زیادہ۔
• ــــ اور ۶۷ حدیثیں وہ ہیں جنھیں خود امام صاحب نے ترک کر دیا تھا[1]

احادیث مؤطا کی تعداد

مؤطا کی احادیث کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد ۸۵۳ ہے[2]

بہرحال یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے کہ روایات اور رواۃ کے اس اختلاف میں توافق اور تطابق پر زیادہ توجہ کی جائے۔ نہ اختلاف ترقیم و تعداد کوئی ایسی چیز ہے کہ اسے غیر معمولی اہمیت دی جائے۔ کیونکہ اول تو اختلاف کچھ ایسا زیادہ نہیں ہے اور جو تھوڑا ثابت ہے اس سے اصل شے پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا۔

امام مالک : راوی حدیث

امام صاحب راوی حدیث کی حیثیت سے، حدیث کے نکتہ شناسوں اور نقادوں کی نگاہ میں نہایت بلند درجے پر فائز تھے۔

راوی حدیث کے صفات

ایک راوی حدیث کے صفات میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ضبط و عدالت کے لحاظ سے پایۂ اعتماد و استناد رکھتا ہو۔

امام صاحب کی قوت ضبط و حفظ کا یہ عالم تھا کہ ان سے متقدم اکابر و اصحاب ان سے حدیث اخذ کرتے تھے، اور ان کی روایت پر پورا پورا اعتماد کرتے تھے۔ ان کی حدیث نہایت صحیح مانی جاتی تھی۔ ان کے بارے میں خیال یہ تھا کہ وہ ان لوگوں میں تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا امین بنایا تھا۔ مثلاً شعبہ، یحییٰ بن سعید القطان وغیرہ۔ اگر ہر دور میں اللہ تعالیٰ مالک، اوزاعی اور شعبہ کے سے

---

[1] السیوطی: مقدمۃ تنویر الحوالک، ص ۹

[2] ابن عبد البر، تجرید التمہید، ص ۲۵۸

ژرف نگاہ اور نکتہ شناس لوگ نہ پیدا کرتا رہتا تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی چیزیں داخل ہو جاتیں جو حدیث نہیں تھیں۔

بہت بڑی خصوصیت

امام مالک کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بیک وقت حدیث و سنت دونوں کے امام مانے جاتے تھے۔ اس کے برعکس ثوری صرف امام حدیث تھے، امام سنت نہ تھے۔ اوزاعی سنت کے امام تھے حدیث کے امام نہ تھے۔[۵۱]

حدیث سے مراد ہر وہ قول، فعل، تقریر، وصفِ خَلقی یا وصفِ خُلقی ہے جس کی رسول علیہ السلام کی طرف نسبت کی جائے، اور سنت سے مراد طریقِ متّبعہ ہے، خواہ وہ حدیث نبوی ہو یا حدیث تو نہ ہو لیکن عمل اور اجماع سے ثابت ہو۔

امام صاحب کے خصائص گوناگوں میں یہ بات بھی داخل تھی کہ حرم میں ان کے سوا کوئی اور تحدیث کے منصب پر فائز نہیں ہوا۔ زہری، نافع، ابن عیینہ یا کسی بھی دوسرے شخص کے مقابلہ میں وہ تفضیل جزئی کے حامل تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

"امام مالک سے بڑھ کر نہ کسی کی حدیث صحیح ہے، نہ ان سے زیادہ کوئی قابل اعتماد ہے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

"امام صاحب سید المسلمین اور امیر المومنین فی الحدیث تھے۔"

یہ لقب نہ امام صاحب کے زمانہ میں، نہ ان کے بعد کسی اور کو دیا گیا۔ امام صاحب کے خصائص میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ وہ "اثبت الناس" تھے۔[۵۲] یعنی سب سے زیادہ قوی فی الحدیث۔ نیز یہ کہ اس پردۂ دنیا پر ان سے زیادہ سنت ماضیہ اور باقیہ کا کوئی عالم نہیں تھا۔[۵۳] تمام مسلمان صحتِ حدیثِ مالک پر متفق تھے۔

---

[۵۱] عیاض: (الترتیب) ورق ۱۹-۲۰ (قلمی نسخہ)

[۵۲] ایضاً ورق ۲۰ (قلمی نسخہ)

[۵۳] ایضاً ورق ۱۹

امام صاحب پر جرح وطعن

امام صاحب کے فضل و کمال، ژرف نگاہی اور دقتِ نظر، نقد و اختیار، اور فحص و تحیص کے سامنے جہاں ایک پوری قوم، اکابر اور علما کی بہت بڑی جماعت سر جھکائے نظر آتی ہے، وہاں امام صاحب پر، ان کے علم پر، ان کے حفظ و ضبط اور عدالت پر جرح وطعن کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ بہرحال ہر شخص کے مادح اور قادح ہوتے ہی ہیں، خواہ منزلت اور مقام کے اعتبار سے وہ کیسا ہی رفیع القدر کیوں نہ ہو۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس طرح کا مواد بھی جو کچھ بہم ہو سکے کسی نہ کسی حد تک پیش کر دیں۔

قطان کی جرح

وہ پہلا شخص جو امام صاحب کے اس تفوق اور منقبت پر سکوت نہیں اختیار کرتا بلکہ اس پر جرح کرتا ہے، اور امام صاحب پر دوسروں کو فوقیت دیتا ہے، وہ قطان ہیں۔

قطان کا قول ہے کہ:

"ثوری امام مالک پر ہر چیز میں فائق ہیں۔"[1]

اسی طرح امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

"میرے دل میں سفیان (ثوری) پر کوئی بھی تفوق نہیں رکھتا۔"[2]

حالانکہ یہ ثوری امام فی الحدیث تو تھے، لیکن مانی ہوئی بات ہے کہ امام فی السنہ نہ تھے، اور اس کے برعکس امام مالک، امام فی الحدیث بھی تھے اور امام فی السنہ بھی۔

ناقدین امام

بہرحال یہ انفرادی آرا ہیں اور ظرف و زمانہ کے اعتبار سے آرا میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے یہ اقوال جو اوپر مذکور ہوئے ہیں ان میں کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ عام طور پر مطلق انداز میں ان کا ذکر کر دیا گیا ہے حالانکہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ کوئی اگر کسی کو کسی پر ترجیح دیتا ہے تو کیوں؟ کس بنا پر؟ کن

---

[1] الماذ: شذرات الذہب، ج ۱، ص ۲۵۰

[2] ایضاً

دلائل کے ماتحت ؟

علاوہ ازیں امام صاحب کے ناقدین کا یہ قول بھی ہے کہ :

"ابن ابی ذئب مالک سے بہ ہمہ وجوہ افضل تھے، بجز اس کے کہ مالک تنقیہ رجال میں زیادہ شدت برتتے تھے۔"[۱]

گویا امام صاحب کی جو تفضیل تسلیم کی گئی ہے اسے ہم "تفضیل متقید" کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ اس کے برعکس ثوری کی تفضیل ہر قید سے ماورا رہی ہے۔

کرخت الفاظ

لیکن معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا کہ امام مالک سے فلاں بزرگ برتر تھے، یا فائق تھے، یا افضل تھے۔ آگے چل کر اس دائرۂ نقد میں جب ہم قدم رکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اس نقد کے جلو میں طعن، اور کرخت الفاظ، اور الزامات بھی چل رہے ہیں۔

ابن عبدالبر النمری القرطبی نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ وماینبغی فی روایتہ وحملہ" میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے،

"حکم قول العلماء بعضھم فی بعض"[۲]

تنقید اقوال

اس باب میں امام مالک کے بارے میں دوسرے علماء کے متعدد تنقیدی اقوال ملتے ہیں۔

"ابن ابی ذئب نے مالک بن انس میں کلام کیا ہے اور ان کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ نہایت کرخت اور تند ہیں جنھیں اس جگہ نقل کرتے ہوئے مجھے کراہت آتی ہے۔"

---

[۱] السمعانی : دالتذرات اج ا، ص ۲۴۵

[۲] اس کتاب کی تلخیص شیخ احمد بن عمر المحمصانی نے کی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ :

"اکثر ابواب کی عبارت اور الفاظ، اور جملے میں نے اپنی تلخیص میں جوں کے توں رکھے ہیں، اور کوئی چیز سوا اسانید کے حذف نہیں کی ہے۔" ص ۲

میرے پیش نظر یہی نسخہ ہے اور میں اس پر اعتماد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔

"ابراہیم بن سلمہ بھی، امام صاحب کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔"

"ابراہیم بن ابی یحییٰ بھی امام صاحب پر درشت الفاظ میں نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔"

کتاب العلل کے الفاظ

ساجی نے اپنی "کتاب العلل" میں لکھا ہے کہ:

"عبدالعزیز بن ابی سلمہ، عبدالرحمٰن ابن زید، ابن اسلم، ابن اسحاق، ابن ابی یحییٰ اور ابن ابی الزناد امام مالک کے مذہب و مسلک کی عیب جوئی کیا کرتے تھے اور ان میں اس بات پر کلام کرتے تھے کہ انھوں نے سلمہ بن ابراہیم سے روایت ترک کر دی۔ نیز داؤد بن الحصین اور ثور بن زید کی روایت نہیں کی۔"

حسد کا الزام

پھر آگے چل کر لکھا ہے:

"شافعی اور بعض اصحاب ابی حنیفہ مالک سے اس لیے پرخاش رکھتے تھے کہ ان کے مرتبۂ امامت پر حسد کرتے تھے۔"

پھر بتایا ہے کہ:

"بعض لوگ امام صاحب پر اس بات سے برہم ہیں کہ وہ سفر و حضر میں مسح علی الخفین کے منکر تھے۔ یا علی اور عثمان کے بارے میں ان کی جو رائے تھی وہ محل اعتراض تھی۔ یا ان کے جو فتوے "اتیان النسار بالاعجاز"[1] کے جواز کے بارے میں تھے انھیں موجب خطا سمجھتے تھے۔ یا آخر میں انھوں نے مسجد نبوی میں نماز باجماعت جو ترک کر دی تھی اس پر نکتہ چین تھے اور یہ سب معترضین اور نکتہ چین امام صاحب کے

---

[1] فقہی موشگافیوں میں سے یہ بھی ایک مسئلہ ہے جو ہمیشہ غلط فہمی اور بہت سے لوگوں کی گمنہ گاریوں اور معصیت کا موجب رہا ہے۔ خدا نے جب "نسار" کو "حرث" قرار دے دیا تو پھر اب اس طرح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نہ استفتاء کی ضرورت ہے نہ فتوے کی۔ کھیت کو کھیت ہی کی طرح اور صحیح مقاصد ہی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ غلط استعمال بہرحال غلط ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

بارے میں ناروا اور ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں وہ ان تمام عیب تراشیوں سے بری ہیں، وکان عند اللہ وجیہا!"[۵۱]

ایک مناقشہ کا ذکر

اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر امام مالک اور ابن اسحاق (صاحب السیرۃ) کے مابین جو مناقشہ تھا اس کا ذکر بھی ہے۔

ایک مرتبہ جب امام مالک کے علم اور پایۂ علم کا ذکر ہو رہا تھا تو ابن اسحاق نے (از راہ تمسخر) کہا:

"مالک کا علم میرے پاس لاؤ، میں اس کا سلوتری (بیطار)[۵۲] ہوں۔"

ابن اسحاق کی یہ بات جب امام مالک تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا:

"ابن اسحاق دجاجلہ میں سے ایک دجّال ہے اسی لیے ہم نے اسے مدینہ سے نکال باہر کر دیا ہے"[۵۳]

ابن اسحاق

ابن اسحاق مدینہ کے ان چار علما میں سے ایک تھے جو مالک بن انس میں کلام کیا کرتے تھے اور یہ بہت سخت اور تند الفاظ امام صاحب کے بارے میں استعمال کرتے تھے۔ لیکن بات ٹھیک سے نہیں معلوم ہوتی کہ یہ لوگ امام صاحب میں کلام کس بنا پر کرتے تھے؟ اس کا اصل سبب کیا تھا؟

شاید اس کی وجہ بعض اقدمین کے اقوال کے مطابق یہ ہو کہ امام مالک نے اپنے زمانہ کے بعض ایسے اہل علم کے بارے میں نہایت تند و ترش الفاظ بہ سلسلۂ نقد و جرح استعمال کیے تھے جن کی صلاح و دیانت اور ثقت و امانت ساری قوم میں معروف و مسلّم تھی۔[۵۴]

تدلیس کا الزام

حد یہ ہے کہ امام صاحب پر جرح و تنقید اور طعن و کلام کرنے والے لوگوں نے امام صاحب پر تدلیس کا الزام بھی لگایا ہے اور انھیں مدلسین رواۃ میں شمار کیا ہے۔

---

۵۱ ابن عبدالبر ـــ اختصار المحمصانی ـــ جامع بیان العلم، ص ۲۰۰ و مابعدہا۔

۵۲ جانوروں کا علاج کرنے والا یعنی سلوتری (دیکھیں احمد جعفری)

۵۳ المصدر السابق، ص ۱۹۸

۵۴ الخطیب البغدادی: (تاریخ بغداد) ج ۱، ص ۲۲۳

چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "طبقات المدلّسین" میں تدلیس کرنے والوں کے کئی درجے قائم کیے ہیں اور پہلے درجہ کے مدلسین میں امام مالک کو شمار کیا ہے۔ وہ اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

"مالک بن انس، امام مشہور، تدلیس سے کام لیا کرتے تھے۔ وہ عکرمہ کی حدیث ثور بن زید اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور عکرمہ کا نام حذف کر دیتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے اسناد میں وہ عاصم بن عبداللہ کا نام ساقط کر دیتے ہیں۔

دار قطنی نے اس کا ذکر کیا ہے اور ابن عبدالبر نے اسے تدلیس تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔"[۵۱]

ہم عصروں کی نکتہ چینی

غرض یہ ایک حقیقت ہے کہ گو امام مالک مرتبۂ امامت پر فائز تھے، اور ان کے علم و فضل اور کمال کے آگے ایک دنیا سر خم کرتی تھی، لیکن ان کے ہم عصر نقادوں نے، اور ان کے زمانہ کے نکتہ چینوں نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اگرچہ اس کا احتفاظ آسان نہیں ہے پھر بھی جستہ جستہ تنقیدات اور نکتہ چینیوں کا سراغ مل ہی جاتا ہے۔

نقادوں کے اقوال پر تبصرہ

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں امام صاحب کے نقادوں اور نکتہ چینوں کے کچھ اقوال کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"جماہیر مسلمین نے مالک کو امام اور امیر المومنین فی الحدیث تسلیم کر لیا تھا ان پر ان خردہ گیریوں کا نہ کوئی اثر تھا نہ ان الزام تراشیوں کو انھوں نے کوئی اہمیت دی تھی۔ نہ ان میں سے کوئی طعن انھوں نے قبول کیا تھا۔ سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات و سوانح کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات ایک دوسرے کے بارے میں نکتہ چینی اور جرح و قدح بھی کبھی کبھی کر لیتے تھے۔ اس جرح و قدح کا سبب کبھی غصہ ہوتا تھا کبھی حسد، جیسا کہ ابن عباس، مالک بن دینار، اور ابو حازم کے اقوال سے ثابت ہے۔ لیکن قائل کا قول اس وقت تک قابل قبول نہیں مانا جا سکتا جب تک اس کے ساتھ دلیل اور برہان بھی نہ ہو۔"[۵۲]

ابن حجر کی تحریر پر تبصرہ

ابن حجر کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو جمہور مسلمین امام فن اور امام علم تسلیم کر لیں اس

---

۵۱ ابن حجر: (طبقات المدلسین) ص ۶

۵۲ ابن عبدالبر: (جامع بیان العلم ....) المختصر ص ۱۹۵

کے بارے میں پھر نقادوں اور نکتہ چینیوں کا کوئی قول قبول نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن یہ بات صداقت پر مبنی ہوگی کہ ہر نکتہ چینی کو ہم طعن سمجھ لیں؟ اور امت کے کسی طبقہ ــــ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ــــ کی فکر و رائے اور حسن عقیدت کو کسی شخص کے بارے میں تنقید اور پرکھ سے مانع کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟

جہاں تک میرے معلومات کا تعلق ہے میں بے تامل کہہ سکتا ہوں کہ نقد رجال کے سلسلہ میں علمار کا مسلک بہت زیادہ وسعت اور فراخ دلی اور حریت فکر و رائے پر مبنی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں خطیب بغدادی نے اپنی کتاب[1] میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے "وجوب البحث والسوال للکشف عن الاحوال" جو اس بات کا ثبوت ہے کہ علمائے رجال نقد ناقدین میں مانع نہیں آتے۔ کیونکہ کسی گروہ یا جماعت کا کسی بزرگ کے گرد جمع ہو جانا، اور اسے امام تسلیم کر لینا، اسے تنقید اور نکتہ چینی سے ماورا نہیں کر سکتا۔ ہم عقل اجتماعی کے اثر اور انداز سے واقف ہیں، اور یہی سبب ہے کہ اکابر رجال کے بارے میں تنقیدی مواد جو ان کے زمانہ میں موجود تھا، بعد میں بڑی حد تک ضائع ہو گیا۔ یہی صورت امام مالک رحمۃ اللہ کے ساتھ بھی پیش آئی۔ لیکن اس کے باوجود جو کچھ بھی ہے اسے بہرحال سامنے رکھنا چاہیے۔

افق تنقید کی وسعت

ہم ان اقدار سے واقف ہیں جو مفکرین اسلام نے افق تنقید کی وسعت کے سلسلہ میں قائم کر دیے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے بارے میں جو مخالفانہ، تنقیدی اور معترضانہ اقوال موجود ہیں ان کے سننے سے ہم نے اپنے کان بند نہیں کر لیے ہیں، کیونکہ علم کے ساتھ وفاداری اور صداقت کا تقاضہ یہ ہے کہ اکابر رجال میں سے جس کے حالات و سوانح ہم حیطۂ تحریر میں لائیں اس کی تصویر شخصیہ کا کوئی پہلو نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے، اور سارے جوانب مختلفہ نظر کے سامنے آجائیں تاکہ موافق و مخالف نقوش کے ساتھ جو خاکہ مرتب ہو وہ ہر اعتبار سے دقیق اور صادق ہو۔

اسباب و عوامل

اب ہم کوشش کریں گے کہ اقدمین نے امام مالک پر جو نکتہ چینی کی ہے یا طعن اور جرح سے کام

---

[1] الخطیب البغدادی: "الکفایہ فی الروایہ"

لیا ہے اس کے اسباب وعوامل اور محرکات تلاش کریں، اور انھیں ایک قاعدے میں لاکر محدود اور مقید کر دیں تاکہ نکتہ چینی اور اعتراضات کا دائرہ زیادہ وسیع ہی نہ ہونے پائے اور جو کچھ کہا گیا ہے وہ زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے اور صحیح طور پر اندازہ ہو سکے کہ اعتراضات کی اصل اور مدار کیا ہے۔

ہم نے انھیں تین قسموں میں منقسم کیا ہے اور اب ہم ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔

۱۔ فقہ و مسائل

پہلی قسم کے اعتراضات وہ ہیں جن کی بنیاد فقہ اور مسائل پر ہے۔

مثلاً ابن ابی ذئب حدیث "بیعین بالخیار" کے بارے میں کہتے ہیں کہ مالک نے یہ حدیث اپنی مؤطا میں روایت تو کی ہے لیکن اسے قابل عمل نہیں سمجھا اور مانا[۵۱] حالانکہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس کے راوی ثقہ اور عدول ہیں، اور دوسرے علماء نے اس حدیث کو معمول بہ بنایا ہے۔ اس پر فتوے دیے ہیں اور بیوع کے مسائل میں اسے بہت بڑی دینی اصل قرار دیا ہے لیکن مالک اور ابو حنیفہ اور ان دونوں کے اصحاب نے اسے رد کر دیا ہے[۵۲]

اس سلسلہ میں بعض مالکیوں کا قول ہے کہ:

"امام مالک نے اس حدیث پر عمل اس لیے چھوڑ دیا کہ اہل مدینہ کا اجماع ان کے ترک عمل پر ہے اور اہل مدینہ کا اجماع ان کے نزدیک خبر واحد سے زیادہ قوی ہے۔"

لیکن اس موقع پر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اصل معترض ابن ابی ذئب خود فقہائے مدینہ میں سے ہیں اور امام مالک کے ہم عصر بھی ہیں۔ پھر بھی وہ امام مالک پر اس حدیث پر عمل ترک کر دینے کے باعث معترض ہیں[۵۳]

---

۵۱ السیوطی: تنویر الحوالک فی شرح مؤطا امام مالک، ج ۲، ص ۱۶۱ وما بعدہا

۵۲ المصدر السابق نقلاً عن ابن عبد البر

۵۳ المصدر نفسہ

ابن عبد البر اور سیوطی کی تحریر

ابن عبد البر نے اور ان سے سیوطی نے نقل کر کے امام صاحب کے بعض ناقدین کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ انھوں نے امام صاحب کے بارے میں ایسے کرخت اور درشت الفاظ استعمال کیے ہیں جنھیں نقل کرتے ہوئے تکلیف اور کراہت ہوتی ہے[۵۱] وہ غالباً ابن ابی ذئب ہی کے بارے میں ہے:

"جب ابن ابی ذئب کو یہ خبر پہنچی کہ مالک حدیث "بیعین بالخیار" کو قابل اخذ و عمل نہیں سمجھتے تو انھوں نے کہا،

"اگر اس نے توبہ نہ کی تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"[۵۲]

ابن ابی ذئب اور امام مالک کے تعلقات

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ابن ابی ذئب اور مالک کے درمیان بڑے گہرے دوستانہ اور مخلصانہ روابط تھے۔ منصور نے ایک مرتبہ جب مالک سے پوچھا،

"مدینہ میں اب کون شیخ وقت (عالم اجل) باقی ہے؟"

تو مالک نے جواب دیا،

"ابن ابی ذئب ___ اور ابن سلمہ اور ابن ابی سبرہ۔"[۵۳]

لیکن اس کے باوجود ابن ابی ذئب دوستی پر اپنی رائے قربان کرنے کے عادی نہ تھے۔ یاد ہوگا، جب جیل خانہ کی تنگی اور اذیت کی شکایت ایک ہاشمی نے منصور سے کی تھی، اور اس نے ابن ابی ذئب اور مالک وغیرہ کو معائنہ کے لیے بھیجا کہ بچشم خود دیکھ کر اپنی رپورٹ دیں تو مالک کی تحریر دیکھ کر وہیں ابن ابی ذئب نے کہا،

"اے مالک تو نے مداہنت سے کام لیا، تو نے کمزوری کا ثبوت دیا۔ تو امیر کی طرف مائل ہو گیا۔"

---

[۵۱] السیوطی: (تنویر الحوالک فی شرح مؤطا مالک) ص ۱۶۱ و ما بعدہا

[۵۲] الخطیب البغدادی: (تاریخ بغداد) ج ۲، ص ۳۰۲

[۵۳] ابن خلکان: (وفیات الاعیان) ج ۱، ص ۵۷۴

اور پھر اپنی رائے الگ سے لکھی ، جو قیدی کی تائید میں اور مالک کی رائے مخالف تھی۔[1]

میں نے اس موافق اور خلاف دونوں پہلو ان بزرگوں (ابن ابی ذئب اور مالک) کے رکھ دیے۔

کلام مجمل غیر مفصل

اندمین کی جو عبارتیں نقدِ امام مالک پر ملتی ہیں ان میں کچھ ایسی بھی ہیں جو مجمل اور غیر مفصل ہیں۔ ان میں امام صاحب پر تنقید تو ہے لیکن اس کا سبب اور منشا کیا ہے؟ یہ نہیں بتایا گیا ہے، جیسا کہ ہم ابن عبد البر کا قول ابراہیم بن ابی یحییٰ کے متعلق نقل کر چکے ہیں کہ وہ امام صاحب کو بددعا دیا کرتے تھے اور اس زمانہ میں کسی شیخ کے لیے دعا یا بددعا کرنا معمولات سے تھا۔ چنانچہ قطان (سال وفات ۱۹۸ھ) نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی شافعی کے لیے دعا کیا کرتے تھے جب ان کا کوئی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب مل جاتا تھا۔[2] لیکن انھی شافعی کے لیے اشہب ابن عبد العزیز، جو اصحاب مالک میں سے تھے، (سال وفات ۲۰۴ھ) موت کی دعا مانگا کرتے تھے۔[3]

قابلِ غور بات

کسی شخص کے لیے بددعا کرنا بلا شبہ انتہائی برہمی اور غضب ہی کے عالم میں ہو سکتا ہے لیکن قابل غور بات یہ ہوتی ہے کہ آیا اس غضب اور برہمی کا سبب ذاتی ہے یا علمی؟ بہر حال یہ لوگ بشر تھے، لہٰذا ان کی دعا یا بددعا کو حقائق اور اسباب کی روشنی میں دیکھنا چاہیے نہ کہ صرف جذبات کی روشنی میں۔ چنانچہ تلاش و جستجو کے بعد دعا اور بددعا کرنے والے حضرات کے ایک دوسرے سے ربط و صلہ کے حالات بھی مل جاتے ہیں بلکہ حسن صلہ اور حسن علاقہ کے شواہد بھی دستیاب ہوتے ہیں۔

---

[1] الخطیب البغدادی: (تاریخ بغداد) ج ۲، ص ۲۹۹، ۳۰۰

[2] ابن عبد البر: (الانتقاء) ص ۷۲

[3] المصدر السابق، ص ۵۲

مثلاً یہ اشہب جو شافعی کے لیے موت کی دعا کرتے نظر آتے ہیں، وہ بزرگ ہیں جو ذاتی طور پر شافعی کے گہرے دوست تھے۔ چنانچہ جب شافعی نے مصر کی سرزمین پر قدم رکھا تو یہ ان کے رفیق تھے اور مسائل فقہی پر پہروں ایک دوسرے سے بحث و گفتگو کیا کرتے تھے۔ امام شافعی کا ان کے بارے میں قول ہے:

"میں نے مصر میں اشہب سے بڑا فقیہ کوئی اور نہیں دیکھا"[۵۱] اب غور طلب بات یہ ہے کہ اتنے خوش گوار علاقے اور صلے کے باوجود، وہ کون چیز تھی جس نے اشہب کو شافعی کے لیے بد دعا کرنے پر آمادہ کر دیا؟

ابن ابی یحییٰ کی بد دعا

اگرچہ تلاش و تفحص کے باوجود یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ ابن ابی یحییٰ مالک کے لیے بد دعا کیوں کرتے تھے، اس کی بنیاد کیا تھی؟ سبب کیا تھا؟ لیکن اتنا بہرحال ہم جانتے ہیں کہ یہ ابراہیم بن ابی یحییٰ مالک کے ابناءِ عصر میں سے تھے (سال وفات ۱۸۴ھ) بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے، مدینہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مدینہ کی نہایت ہی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ انھوں نے خود بھی ایک مؤطا لکھی تھی جو مالک کی مؤطا سے دوگنی تھی۔ ایک مرتبہ ان سے مالک کے بارے میں پوچھا گیا،

"کیا آپ کے نزدیک امام مالک روایت حدیث میں ثقہ ہیں؟"

ابن ابی یحییٰ نے جواب دیا،

"نہیں ــــ نہ روایت میں ثقہ ہیں نہ دین میں۔"[۵۲]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن ابی یحییٰ اور مالک کے درمیان کیا صورت تھی؟ مالک کا قول بھی ان کی مخالفت میں بڑا سخت اور درشت ہے اور وہ انھیں نہایت ہی ناملائم الفاظ میں یاد کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس، انہی ابن ابی یحییٰ کی تعریف میں شافعی رطب اللسان ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان

---

۵۱ ابن عبدالبر: (الانتقاء) ص ۱۱۲ و ۱۱۳

۵۲ الذہبی: (تذکرۃ الحفاظ) ج ۱، ص ۲۴۷

سے اکابر نے روایت حدیث کی ہے[۵۱]

دونوں رعایت نہیں کرتے

پس صورت احوال یہ ہے کہ دونوں اصحاب ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ مالک بھی طعن" سے نہیں چوکتے اور ابن ابی یحییٰ بد دعا سے باز نہیں آتے۔ ان باہمی نکتہ چینیوں کا عام اثر دونوں حضرات کی شخصیتوں پر پڑا۔

اب ہم تیسری شق زیر بحث لائیں گے۔

۳۔ نقد صریح

روایت حدیث کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ امام صاحب پر جو تنقید ہے وہ نقد صریح ہونے کے باوجود تفصیل و بیان کے بغیر ملتی ہے، جیساکہ ابن اسحاق کا قول کہ:

"مالک کا علم میرے سامنے پیش کرو، میں اس کا سلوتری ہوں۔"

اور اس کے جواب میں غضب اور غیظ سے بھرا ہوا امام صاحب کا قول جوان کی خشونت اور درشتی کا مظہر ہے[۵۲]

ابن اسحاق کا شمار اصحاب روایت ونقل میں ہوتا ہے لہذا امام صاحب کے علم پر ان کا طعن امام صاحب کے نقلی علم ہی پر ہو سکتا ہے لیکن امام صاحب کے منقولی علم پر، یہ اتہام جہاں تک ہمیں علم ہے، بیان و اثبات کی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔

اصحاب خمسہ

امام صاحب پر نقد و طعن، اور جرح و قدح کرنے والے لوگوں میں پانچ آدمیوں کا نام ابن عبدالبر نے ساجی کی "کتاب العلل" سے نقل کیا ہے، جو یہ ہیں:

(۱) عبدالعزیز بن ابی سلمہ

(۲) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم

---

۵۱ المصدر السابق

۵۲ الذہبی: تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۶۴

(۳) ابن اسحاق

(۴) ابن ابی یحییٰ

(۵) ابن ابی الزناد

ان اصحاب خمسہ نے امام صاحب پر فقہی اور نقلی ہر اعتبار سے جرح کی ہے، اگرچہ اپنے نقد کی تصریح نہیں کی ہے، نہ اسباب نقد و جرح پر کوئی روشنی ڈالی ہے۔

ایک تحقیقی نظر

ان اصحاب خمسہ میں سے، ابن اسحاق کا امام صاحب کے بارے میں قول ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح عبدالعزیز بن ابی سلمہ جو عبدالعزیز الماجشون کے نام سے بھی معروف ہیں اور جن کا پورا نام عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ ہے[۵۱] مدینہ کے رہنے والے اور امام صاحب کے معاصر تھے۔ امام صاحب کے بارے میں ان کے قول کو بھی معاصرت کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

ابن ابی یحییٰ بھی امام صاحب کے معاصر تھے۔ امام صاحب کے بارے میں ان کے اقوال بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

اب پانچ میں سے دو باقی رہ گئے جن میں سے ایک عبدالرحمٰن بن زید ابن اسلم ہیں۔ یہ بھی امام صاحب کے ہم شہر اور ہم عصر ہیں۔ ۱۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[۵۲]

عبدالرحمٰن کے والد زید بن اسلم سے، امام مالک نے جو روایتیں لی ہیں وہ کم نہیں ہیں۔ چنانچہ مؤطا میں یحییٰ کی جو حدیثیں زید کی روایت سے ہیں ان کی تعداد اکاون ہے، اور وہ زید بھی عبدالرحمٰن کے والد ہیں۔[۵۳]

لیکن ان زید کے بیٹے عبدالرحمٰن کی احمد ابن المدینی، اور نسائی نے تضعیف کی ہے۔[۵۴]

---

۵۱ ابن عبدالبر: (الانتقاء) ص ۵۷

۵۲ الحافظ الخزرجی: (خلاصۃ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال) ص ۱۹۲

۵۳ ابن عبدالبر: (تجرید التمہید) ص ۳۰

۵۴ الخزرجی: (الخلاصہ) ص ۱۹۲

اب اصحاب خمسہ میں سے آخری شخص جو باقی رہ جاتے ہیں وہ ابن ابی الزناد ہیں۔

قطع تعلق

ابن ابی الزناد بھی امام صاحب کے ہم شہر اور ہم عصر ہیں (سال وفات ۱۷۴ھ)۔
جیسا کہ گزشتہ صفحات میں کسی جگہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ ابن ابی الزناد وہی ہیں جو مدینہ کے حکام سے امام مالک کی چغلی کھایا کرتے اور شکایت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام صاحب ایک مرتبہ ان کے پاس پہنچے اور اس حرکت سے انھیں باز رکھنے کی کوشش کی لیکن جب باز نہ آئے تو امام صاحب نے ان سے تعلقات منقطع کر لیے اور مرتے دم تک پھر ان سے کسی طرح کی راہ و رسم نہ رکھی۔ امام صاحب نے ان کی روایت میں خود بھی صراحت کے ساتھ کلام کیا ہے۔[۱] ان کے بارے میں علمائے رجال کا قول یہ ہے کہ:

"عبدالرحمٰن ثقہ اور صدوق ہیں لیکن ضعیف ہیں۔ مدینہ میں انھوں نے جو حدیثیں بیان کیں وہ صحیح ہیں۔ بغداد اور عراق میں جو تحدیث کی وہ مضطرب ہے۔"[۲]

اقوال اور حالات

سطور بالا میں ہم نے ان لوگوں کے اقوال اور حالات درج کر دیے ہیں جو امام صاحب میں کلام کرتے ہیں۔ اب پڑھنے والا ان حقائق کی روشنی میں خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ صورت واقعہ کیا ہے؟

اعتراضات معیّنہ

امام صاحب پر نقد و جرح کی کیفیت بیان کرنے کے بعد اب ہم ایک اور پہلو کی طرف رجوع ہوتے ہیں یعنی امام صاحب کے بارے میں وہ اعتراضات و الزامات جو معیّن طور پر کیے گئے ہیں یعنی جو الزام لگایا گیا ہے یا اعتراض کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کا بیان و سبب بھی موجود ہے

---

[۱] الذہبی: (تذکرۃ الحفاظ) ج ۱، ص ۲۲۸، نیز،

الخزرجی: (الہتذیب) ص ۱۹۲

[۲] عیاض: (الترتیب) ورق ۲۹ (قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ)

اور یہ اعتراضات والزامات زیادہ تر امام صاحب کے سلوک نقلی سے متعلق ہیں ۔

اس طرح کی چیزوں میں ایک تو یہ ہے کہ آخر عمر میں انھوں نے مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاکر نماز جماعت سے پڑھنا ترک کر دیا تھا ۔ دوسرے یہ کہ بعض اہل علم امام صاحب پر یہ عیب لگاتے ہیں کہ انھوں نے وقت کے اجل رجال کے بارے میں تند و درشت الفاظ استعمال کیے حالانکہ وہ صلاح و دیانت اور ثقت و امانت میں معروف تھے ۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک الزام پر جدا جدا گفتگو کریں گے ۔

مسئلۂ ترکِ جماعت

یہ بات کہ امام صاحب نے مسجد نبوی میں جماعت سے نماز پڑھنا ترک کر دیا تھا روایات مختلفہ پر مشتمل ہے ۔

ایک روایت ہے کہ وفات سے دو سال پہلے انھوں نے مسجد نبوی میں جانا چھوڑ دیا تھا ۔ بعض روایتیں وفات سے سات سال پہلے کی بھی ہیں کہ اس مدت میں نہ پنج وقتہ جماعت میں سے کسی جماعت میں شریک ہوئے ، نہ نماز جمعہ میں ۔

ایک قول یہ ہے کہ امام صاحب کا یہ فعل تدریجی تھا ۔ پہلے انھوں نے یہ معمول بنایا کہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے ، نماز پڑھتے اور چلے جاتے ۔ معمول کے مطابق بیٹھتے نہیں تھے ۔ اس کے بعد انھوں نے بیماروں اور مریضوں کی عیادت کرنے کا معمول ترک کیا ۔ اس کے بعد نماز جنازہ میں شرکت ترک کر دی ۔ اس کے بعد لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کی مجلسوں میں آنا جانا چھوڑ دیا ۔ پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنا حتیٰ کہ جمعہ تک ترک کر دیا ۔

وقوع تخلف میں اتفاق ، سبب میں اختلاف

جہاں تک اس تخلّف کا تعلق ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے بلکہ سب کا اتفاق ہے البتہ اس تخلّف کی مدت اور سبب میں اختلاف ضرور پایا جاتا ہے ۔

بہر حال اس تخلف کا سبب کیا تھا ؟

سبب کے بیان میں بھی اختلاف اقوال و روایات موجود ہے ۔

ایک قول یہ ہے کہ امام صاحب نے اس سلسلہ میں فرمایا :

"ہر شخص کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنا عذر بیان کر دے، نہ ہر عذر ایسا ہوتا ہے کہ بیان کر دیا جائے۔"

ایک روایت یہ ہے کہ جب وقت وفات قریب آیا اور امام صاحب سے اس تخلف کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا،

"آج اگر میں اس حالت میں نہ ہوتا کہ دنیا کا آخری، اور آخرت کا پہلا دن درپیش ہے تو لب کشائی نہ کرتا۔ لیکن اب کہتا ہوں کہ مجھے سلس البول کی شکایت ہے۔ مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اس طرح آتا کہ طاہر نہ ہوتا اور اس طرح حضور رسالتمآب میں خفیف ہوتا۔ مجھے یہ بات بھی ناپسند تھی کہ اپنے مرض کا چرچا کرتا، اس طرح گویا میں اپنے آپ کا شکوہ سنج ہوتا۔"

ایک قول یہ بھی ہے کہ اخراج ریح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام صاحب نے فرمایا:

"میں اسے پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آنے والوں کے لیے موجب اذیت بنوں۔"

اسباب واقوال پر ایک نظر

اب ہم ان اسباب واقوال پر ایک نظر ڈالیں گے۔

مسجد نبوی سے تخلف اور قعود کی مدت چند سال سے لے کر سات سال تک بیان کی جاتی ہے لیکن چوٹ کی وجہ سے اخراج ریح کے باعث یہ قعود عن المسجد سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ کوڑے پڑنے کے بعد امام صاحب تیس سال سے زیادہ مدت تک زندہ رہے۔ لہذا ضرب اور سبب تخلف میں کوئی ربط نہیں نظر آتا۔

باقی رہی سلس البول، یا ضعف ونقاہت، یا فتق، یا کسی اور بیماری کی توجیہ جس نے امام صاحب کو شرف مسجد نبوی میں حاضری، نماز جمعہ میں شرکت، بلکہ جملہ اجتماعی سرگرمیوں سے دور کر دیا تھا، تو یہ بھی آسانی سے قبول نہیں کی جاسکتی کیونکہ روایات تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کے معاصرین ان پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ:

"لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ آپ نے مسجد نبوی میں جانا، اور نماز پڑھنا تو ترک کر دیا ہے لیکن حکام اور عمال کی

بارگاہ میں برابر پہنچتے رہتے ہیں۔"

امام صاحب کی توجیہہ

اس اعتراض کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا:

"جہاں تک میرا مسجد نہ جانے کا تعلق ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ میں کمزور اور ضعیف ہو چکا ہوں، اور جہاں تک میرا حکام اور عمال کے پاس جانے کا تعلق ہے تو یہ تکلیف میں اس لیے برداشت کرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھ سے صلاح مشورہ کرتے ہیں اور میں ایسی صلاح دیتا ہوں جس کی جرأت کوئی اور نہیں کر سکتا۔"[۱]

ایک سوال

امام صاحب کی اس مبینہ توجیہہ کے بعد ایک سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔

یہ کہ جس باعث مسجد نبوی کے آنے والوں کو امام صاحب "اذیت" دینا نہیں چاہتے تھے اسے وہ امراء و حکام، بہ طیب خاطر کس طرح گوارا کر لیتے تھے؟

۵ - امام صاحب کی روایت حدیث میں کلام

نقد و جرح کے سلسلہ میں اب ہم ایک اور چیز لیتے ہیں یعنی امام صاحب کی روایت میں جو کلام کیا گیا ہے، اور بے اعتباری ظاہر کی گئی ہے اسے پرکھیں گے۔

گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ ابن حجر وغیرہ امام مالک کو مدلسین میں شمار کرتے ہیں کیونکہ انھوں نے ایک روایت حدیث میں ثور بن زید، اور ابن عباس کے درمیان سے عکرمہ کا نام ساقط کر دیا ہے، جیسا کہ ابن عبد البر نے اس طرح کی احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۲]

عکرمہ کو ساقط کر دینے کا سبب طبری نے یحیی ابن معین کے حوالہ سے یہ بتایا ہے کہ:

"مالک بن انس عکرمہ کا ذکر اس لیے نہیں کرتے کہ عکرمہ بعد میں صفریہ کے ہم رائے ہو گئے تھے، اور صفریہ خوارج کا ایک فرقہ ہے۔"[۳]

---

[۱] الزواوی: (مناقب مالک) ص ۳۱

[۲] ابن عبد البر: (التجرید) ص ۲۴

[۳] الطبری: (المنتخب من ذیل المذیل من تاریخ الصحابۃ والتابعین) ص ۱۰۱

نقد پر نقد

اس نقد کو ہم پرکھنا چاہتے ہیں :

تدلیس کے لغوی معنی ہیں تاریکی اور نور کا اختلاط ۔ گویا تدلیس ایک ایسا فعل ہے جو راوی کے کسی عمل یا فعل کو مخلوط دممزوج کرکے ڈھانپ لیتا ہے ۔

تدلیس کی دو قسمیں ہیں[1]

(۱) تدلیس اسناد

(۲) تدلیس شیوخ

تدلیس اسناد

تدلیس اسناد یہ ہے کہ ایسے شخص سے روایت کی جائے جس سے راوی کی ملاقات تو ہوئی ہو لیکن سماعت حدیث میسر نہ آئی ہو ۔ یا یہ بات موہوم ہو کہ آیا اس نے اس سے سماعت کی ہے یا نہیں ؟ یا وہ اپنے کسی ایسے معاصر سے روایت کرے جس سے وہ کبھی نہ ملا ہو ۔ لیکن اسے خیال ہو کہ اس سے مل چکا ہے اور سماعت کر چکا ہے ۔

تدلیس شیوخ یہ ہے کہ راوی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس نے سماعت حدیث تو کی ہو ۔ لیکن اس شیخ کا نام وہ دے جو غیر معروف ہو ۔ یعنی جس نام سے وہ مشہور نہ ہو ۔ یا اس کی وہ کنیت بیان کرے جس سے وہ پہچانا نہ جا سکے یا اس کا اس طرح ذکر کرے کہ اس کی طرف ذہن منتقل نہ ہو تا کہ اس کی صحیح شناخت نہ ہو سکے یعنی وہ اس شیخ سے روایت تو کرے لیکن کسی کمزوری یا وجہ کے باعث اس کے نام اور شخصیت کو چھپانا چاہے ۔

تدلیس کا حکم

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تدلیس کا حکم کیا ہے ؟

یہ بات مختلف فیہ ہے لیکن بہر حال قسم اوّل یعنی تدلیس اسناد کا حکم یہ ہے کہ اسے بہت زیادہ مکروہ مانا جاتا ہے ۔ اکثر علمائے حدیث نے اس کی سخت مذمت کی ہے ۔ امام شافعی کا قول ہے کہ :

---

[1] ملاحظہ ہو : " مقدمۃ ابن صلاح " مطبوعہ حلب ، ص ۸۲

"تدلیس اور دروغ بھائی بھائی ہیں۔"

امام شافعی کا یہ قول بھی ہے کہ:

"تدلیس کا مجرم بننے کے مقابلہ میں زنا کا مجرم بننا مجھے گوارا ہے۔"

لیکن تدلیس کے بارے میں اس طرح کے اقوال افراط و تفریط سے خالی نہیں ہیں، یہ مبالغہ صرف زجر و تنفیر کے لیے ہے۔

تدلیس کرنے والے کا حکم

تدلیس کرنے والے کی روایت قبول کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

محدثین اور فقہا کا ایک بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ:

"تدلیس کرنے والا مجروح ہے۔ اس کی روایت کسی حالت میں بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔"

لیکن ابن صلاح کا قول یہ ہے کہ:

"تدلیس کی روایت جس کے الفاظ محتمل ہوں، اور سماع و اتصال کی وضاحت نہ ہوتی ہو، اس کا حکم "مرسل" کا ہے، اور اگر وہ ایسے الفاظ سے روایت کرے جن سے اتصال ثابت ہوتا ہو مثلاً

سمعت : میں نے سنا ....

حدثنا : ہم سے بیان کیا ....

اخبرنا : ہمیں خبر دی ......

یا اور اسی طرح کے الفاظ تو ایسی روایت مقبول ہے اور اس سے احتجاج جائز ہے۔ باقی رہی تدلیس شیوخ تو وہ ایک معمولی بات ہے۔"